رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم وصیت جس کی اشاعت ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے

(فرمودہ 5 جنوری 1940ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میں چونکہ گزشتہ ایام میں انفلوئنزا کی تکلیف سے بیمار رہا ہوں بلکہ ابھی تک گلے میں بہت سی خراش باقی ہے اس وجہ سے نہ تو میں اونچا بول سکتا ہوں اور نہ ہی زیادہ دیر تک بول سکتا ہوں۔ لیکن چونکہ اب ایک نئے سال کا شروع ہے اور نیا سال اپنے ساتھ نئی امنگیں اور نئے ارادے لے کر آیا کرتا ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ باوجود تکلیف اور بیماری کے خطبہ مَیں ہی پڑھاؤں تاکہ آئندہ سال کے متعلق جماعت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلا سکوں۔

اس سال جلسہ سالانہ پر ایک چھوٹا سا اشتہار میری طرف سے شائع ہوا ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت درج ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کی خبر ملنے پر مسلمانوں کو کی۔ وہ وصیت یہ ہے کہ اِنَّ دِمَآءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا۔[1] یعنی مکہ مکرمہ میں حج کے ایام میں جو عزت خدا نے حج کے دن کو دی ہے وہی عزت تم آپس میں ایک

دوسرے کی جانوں، ایک دوسرے کے مالوں اور ایک دوسرے کی عزتوں کو دو۔ یعنی کسی کی عزت پر حملہ نہ کرو۔ اس پر اتہام نہ لگاؤ، اسے بدنام نہ کرو، اسے ذلیل نہ کرو، اسے بُرا بھلا نہ کہو۔ اسی طرح کسی کے مال پر حملہ نہ کرو یعنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، کسی کا حق غصب نہ کرو، کسی کے مال اور جائداد میں ناجائز تصرف نہ کرو۔ اسی طرح کسی کی جان پر حملہ نہ کرو۔ یعنی کسی کو مارو نہیں، کسی کو پیٹو نہیں، کسی کو قتل نہ کرو اور کسی سے لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد نہ کرو۔ یہ رسول کریم ﷺ کی وصیت ہے اور آپ نے اس وصیت کے بیان کرنے کے بعد دو دفعہ فرمایا کہ میں نے یہ وصیت تمہیں کی ہے جس شخص کے کان میں میری یہ بات پڑے اسے چاہئے کہ وہ آگے دوسرے لوگوں کے کان تک میری اس وصیت کو پہنچادے اور انہیں چاہئے کہ وہ اَور آگے بیان کریں۔ گویا ہر شخص جو یہ حدیث سنے اسے رسول کریم ﷺ کا یہ حکم ہے کہ وہ آگے دوسرے مسلمان بھائیوں تک اسے پہنچادے۔

مَیں نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے دوستوں کو نصیحت کی کہ وہ بھی رسول کریم ﷺ کی اس وصیت کے ماتحت اس حدیث کو دوسروں تک پہنچاتے چلے جائیں۔ یہاں تک کہ یہ حدیث چکر کھا کر پھر اُن تک پہنچے اور پھر دوبارہ وہ شاہد بن جائیں اور دوبارہ ان پر یہ فرض عائد ہو جائے کہ وہ اسے غائب تک پہنچادیں کیونکہ رسول کریم ﷺ کے الفاظ یہ ہیں کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ شاہد غائب تک اسے پہنچادے۔ یعنی جس کے کان میں یہ حدیث پہنچے وہ اسے اس شخص کے کان تک پہنچادے جو اس مجلس میں موجود نہیں تھا۔ رسول کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ فَلْيُبَلِّغِ الْعَالِمُ الْجَاهِلَ کہ جس شخص کو اس حدیث کا علم ہو وہ اسے اس شخص تک پہنچادے جسے اس حدیث کا علم نہ ہو۔ اگر آپ یہ فرماتے تو اس کے معنے اور ہو جاتے اور رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کا صرف یہ مطلب ہوتا کہ جن لوگوں کو اس حدیث کا علم ہو انہیں تو یہ نہ پہنچائی جائے۔ البتہ جو اس حدیث سے ناواقف ہوں ان تک اس حدیث کو پہنچایا جائے۔ اس صورت میں جب کوئی شخص اس حدیث کو سن لیتا تو وہ سمجھ لیتا کہ اب کسی اور کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ پھر دوبارہ مجھے وہ یہ حدیث پہنچائے اور نہ مجھ پر یہ فرض ہے کہ میں ہر شخص کے آگے اسے بیان کروں بلکہ جو اس حدیث سے ناواقف ہو گا صرف اسے رسول کریم ﷺ

کی یہ حدیث بتاؤں گا اور اگر کوئی اسے یہ حدیث پہنچاتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ مجھے تو پہلے سے ہی یہ حدیث معلوم ہے اور رسول کریم ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ فَلْیُبَلِّغِ الْعَالِمُ الْجَاهِلَ۔ مَیں عالم ہوں اس حدیث سے ناواقف نہیں۔ پس تم میرے سامنے یہ حدیث کیوں بیان کرتے ہو؟ مگر رسول کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کہ جب کسی مجلس میں یہ حدیث بیان کی جائے تو جو اس حدیث کو سن رہا ہو، یہ نہیں کہ وہ اس حدیث کو جانتا نہ ہو چاہے وہ پہلے سے جانتا ہو، بہر حال جب وہ کسی مجلس میں ایک شاہد کی حیثیت میں اس حدیث کو سنے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اسے الغائب یعنی اس شخص کے کانوں تک پہنچا دے جو مجلس میں موجود نہیں تھا۔ یہاں بھی یہ نہیں کہا کہ اس شخص کو حدیث پہنچاؤ جو اس حدیث کو جانتا نہ ہو بلکہ غائب کا لفظ رکھ کر بتا دیا کہ چاہے وہ اس حدیث کو جانتا ہی کیوں نہ ہو جب وہ اس مجلس میں موجود نہ ہو جس مجلس میں اس حدیث کو بیان کیا جا رہا ہو تو تمہارا فرض ہے کہ تم اسے پہنچاؤ کیونکہ اصل غرض اس حدیث کے پہنچانے سے یہ نہیں کہ لوگوں کو اس تعلیم کا علم ہو جائے بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ یہ تعلیم لوگوں کے سامنے بار بار آ کر ان کے ذہن نشین ہو جائے اور ان کے دل اور دماغ پر اس کا نقش ہو جائے۔ دنیا میں کئی باتیں انسان کے علم میں ہوتی ہیں مگر بسا اوقات وہ دل اور دماغ پر نقش نہیں ہوتیں اس وجہ سے باوجود علم کے ان پر عمل کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے مگر جب کوئی بات بار بار دہرائی جائے تو وہ دل اور دماغ پر نقش ہو جاتی ہے اور عمل کا ایک جزو بن جاتی ہے۔

پس کسی تعلیم کا صرف پڑھ لینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور عمل کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بار بار تعلیم دہرائی جائے۔ اسی حکمت کے ماتحت رسول کریم ﷺ نے یہ حدیث آگے اور پھر آگے بیان کرنے کی وصیت کی۔ ورنہ یہ تو نہیں کہ اس حدیث اور اس مفہوم کو مسلمان پہلے جانتے نہ تھے۔ مسلمان پہلے بھی اس بات کو جانتے تھے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ساری عمر یہی تعلیم دی کہ تم بلاوجہ کسی کا مال نہ لو، بلاوجہ کسی کی جان پر حملہ نہ کرو، بلاوجہ کسی کو دکھ اور اذیت نہ پہنچاؤ۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ یہ تعلیم دی کہ جھوٹے اتہامات مت لگاؤ، کسی کو ذلیل اور رسوا نہ کرو، کسی سے

تکبر کے ساتھ پیش نہ آؤ، کسی کی عیب چینی نہ کرو، تجسس اور غیبت نہ کرو، اور یہی اس حدیث کا خلاصہ ہے۔ پس اس حدیث میں جو کچھ کہا گیا وہ کوئی نئی بات نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں پہلے سے یہ تمام باتیں موجود تھیں۔ قرآن کریم میں بھی ہر بات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ البتہ اس وصیت میں اس تعلیم کو ایک خاص صورت دے دی گئی ہے ورنہ مضمون وہی ہے صرف اس وقت کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت کی۔ آپ نے سوچا کہ جب مَیں دنیا سے چلا جاؤں گا تو مسلمانوں کو یہ اہم سبق یاد دلانے والے بہت کم رہ جائیں گے بلکہ بعض صورتوں میں تو ممکن ہے کہ کوئی بھی یہ سبق یاد دلانے والا نہ رہے۔ پس کیوں نہ میں ہر مسلمان کو دوسروں کا ناصح بنادوں تا یہ ضرورت ہی نہ رہے کہ کوئی خلیفہ ان تک یہ بات پہنچائے، یہ ضرورت ہی نہ رہے کہ کوئی معلّم ان تک بات پہنچائے، یہ ضرورت ہی نہ رہے کہ کوئی واعظ ان تک بات پہنچائے، یہ ضرورت ہی نہ رہے کہ کوئی بڑا بزرگ اسے بیان کرے، یہ ضرورت ہی نہ رہے کہ کوئی باپ اسے بیان کرے یا ماں بیان کرے یا کسی کا کوئی دوست اور عزیز بیان کرے بلکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے سامنے اس حدیث کو بیان کرے اور بیان کرتا چلا جائے اور یقیناً نصیحت کو پھیلانے کا اس سے بڑھ کر لطیف گُر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ اِنَّ دِمَآءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا۔ یہ نہیں فرمایا کہ فَلْیُبَلِّغِ الْعَالِمُ الْجَاھِلَ۔ اگر آپ یہ فقرہ آخر میں دہرا دیتے تو ممکن ہے اس کا مطلب یہ لے لیا جاتا کہ یہ حدیث امت محمدیہ کے ایسے ہی افراد تک پہنچانا ہمارا فرض ہے جن تک یہ حدیث پہلے نہ پہنچی ہو بلکہ ممکن ہے مسلمان یہی مفہوم سمجھتے اور وہ کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ اے مسلمانو! تم ان لوگوں تک اس حدیث کو پہنچاؤ جو اس سے ناواقف ہیں۔ اگر کوئی اس حدیث کو پہلے جانتا ہو تو اسے پہنچانے کی ضرورت نہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ اور شاہد کے معنی عالم کے نہیں بلکہ شاہد کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو اس مجلس میں بیٹھا ہوا ہو جس میں یہ حدیث بیان کی جا رہی

ہو۔ اور غائب کے معنی جاہل کے نہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس مجلس میں موجود نہ ہوں جس میں یہ حدیث بیان کی گئی ہو۔ مثلاً اِس وقت خطبہ جمعہ میں جو لوگ شامل ہیں وہ سب شاہد ہیں اور جو احمدی یہاں نہیں بیٹھا چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو، چاہے وہ اس حدیث کو سند کے ذریعہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تک روایت کرتا ہو وہ غائب ہے کیونکہ وہ اس مجلس میں نہیں۔

پس اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ یہ ایک تعلیم ہے جو ناواقفوں تک پہنچاؤ بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ یہ ایک تعلیم ہے جو واقفوں اور ناواقفوں تک پہنچاؤ اور وہ اگلے واقفوں یا ناواقفوں تک پہنچائیں اور وہ اس سے اگلے واقفوں یا ناواقفوں تک پہنچائیں اور پھر پہنچاتے چلے جائیں۔ بظاہر یہ ایک چھوٹا سا تغیّر ہے کہ عالم کی جگہ شاہد اور جاہل کی جگہ غائب کا لفظ رکھ دیا گیا ہے مگر یہ چھوٹا سا تغیّر ایک حکیم ہستی کا تغیّر ہے جو یہ سمجھتی تھی کہ ان دو چھوٹے سے تغیّرات کے ساتھ مَیں اپنی امت میں اس تعلیم کے متواتر پھیلائے جانے کی بنیاد قائم کر رہا ہوں۔ پس اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ عالموں کو چاہیے کہ ناواقفوں تک اسے پہنچا دیں بلکہ اس حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ ہر اس دوسرے مسلمان تک جو اس مجلس میں شامل نہیں یہ حدیث پہنچا دے اور پھر آگے اس کا فرض ہے کہ وہ اسی طرح اور لوگوں تک اس حدیث کو پہنچاتا چلا جائے اور جبکہ اس حدیث میں یہ شرط عائد کر دی گئی ہے کہ جس مجلس میں یہ حدیث بیان کی جائے اس میں بیٹھنے والوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان لوگوں تک اس حدیث کو پہنچائیں جو اس مجلس میں موجود نہ ہوں تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ قیامت تک یہ حدیث ایک دوسرے کو پہنچائی جائے گی کیونکہ کوئی ایسی مجلس نہیں ہو سکتی جس میں دنیا کے تمام مسلمان بیٹھے ہوں اور سب کے سامنے ایک وقت میں یہ حدیث بیان کی جا سکے۔ لازماً ہر مجلس میں کچھ مسلمان ہوں گے اور کچھ نہیں ہوں گے۔ پس اس شرط کے ماتحت ہمیشہ ان لوگوں کا جو کسی مجلس میں اس حدیث کو سنیں گے یہ فرض رہے گا کہ وہ دوسروں تک اسے پہنچائیں اور اس طرح قیامت تک یہ سلسلہ چلتا چلا جائے گا اور بفرضِ محال کوئی ایسی مجلس قائم بھی ہو سکے جس میں روئے زمین کے تمام مسلمان اکٹھے ہو جائیں اور سب کے سامنے ایک وقت میں اس حدیث کو بیان کر دیا

جائے اور ان میں سے کوئی غائب نہ ہو تو بھی اس حدیث کا دوسروں تک پہنچانا صرف عارضی طور پر ختم ہو گا کیونکہ جب نئے بچے پیدا ہوں گے تو ان کے متعلق پھر اس بات کی ضرورت پیش آئے گی کہ انہیں اس حدیث کے مفہوم سے آگاہ کیا جائے۔ فرض کرو رُوئے زمین کے تمام مسلمان بیس کروڑ ہیں یا چالیس کروڑ ہیں یا ایک ارب ہیں اور اتفاقاً وہ ایک مجلس میں جمع ہو جاتے ہیں اور سب کو یہ حدیث پہنچا دی جاتی ہے تو بھی اس حدیث کو آگے پہنچانے کا سلسلہ عارضی طور پر ہی بند ہو گا دائمی طور پر نہیں کیونکہ دس پندرہ سال کے بعد ان کے جو بچے پیدا ہو کر بڑے ہو چکے ہوں گے ان کو اس حدیث کا علم نہیں ہو گا اور اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم پھر تازہ ہو جائے گا کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ پس یہ ایک ایسا گُر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایجاد کیا ہے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے کبھی مسلمان اس حدیث سے ناواقف نہیں رہ سکتے اور کوئی مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا جس کے کان میں کم سے کم سال میں تین چار بار یہ حدیث نہ پڑے۔ اگر اس حدیث کا محض پڑھ لینا یا اس کا ایک دو دفعہ سن لینا کافی ہوتا تو انسان بخاری میں اس حدیث کو پڑھ سکتا تھا اور جو دینی مدارس کے اساتذہ ہیں وہ اپنے شاگردوں کو یہ حدیث پڑھاتے ہی ہیں بلکہ شائد دس دس دفعہ ان کے پڑھانے میں یہ حدیث آ جاتی ہو گی لیکن مَیں کہتا ہوں کہ پڑھنے اور دوسروں کو پہنچانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ تو پڑھانے والے کے دل پر وہ اثر نہ ہو سکتا جو اَب ہوتا ہے۔ اس صورت میں پڑھانے والا اسے محض ایک حدیث سمجھتا مگر اب جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ساتھ ہی دیکھتا ہے تو وہ اسے صرف حدیث نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس حدیث کو ایک ذمہ داری اور امانت سمجھتا ہے اور وہ اس حدیث کو پڑھنا یا پڑھانا کافی خیال نہیں کرتا بلکہ اس امانت کی ادائیگی کو بھی ضروری سمجھتا ہے۔ پس اس حدیث نے پڑھانے والے کے ذہن میں بھی بیداری پیدا کر دی اور پڑھنے والے کے ذہن میں بھی بیداری پیدا کر دی۔

پس یہ ایک عظیم الشان نکتہ ہے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فائدہ کے لئے بتایا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس طرف توجہ دلا دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان الفاظ سے یہ منشاء نہیں تھا۔ اُس وقت آپ کی مجلس میں جو لوگ موجود تھے وہ ان لوگوں تک اسے پہنچا دیں جو

اُس وقت موجود نہیں تھے کیونکہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ’’اس مجلس کا شاہد‘‘ بلکہ آپ نے شاہد کا لفظ بغیر اضافت کے فرمایا۔ اگر آپ یہ فرماتے کہ فَلْیُبَلِّغْ شَاھِدُ مَجْلِسِنَا ھٰذَا کہ اس مجلس میں جو لوگ موجود ہیں وہ دوسروں تک میری یہ بات پہنچا دیں تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ اس حدیث کا دوسروں تک پہنچانا صرف اُنہی کا فرض تھا ہمارا فرض نہیں۔ مگر آپ نے صرف فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فرمایا اور غائب کے لئے بھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اَلْغَائِبُ عَنْ مَجْلِسِنَا ھٰذَا بلکہ اَلْغَائِبَ کا لفظ استعمال کیا۔ گویا رسول کریم ﷺ نے شَاھِد کا لفظ بھی بغیر اِضافت اور قید کے استعمال کیا اور غائب کا لفظ بھی بغیر اضافت اور قید کے استعمال کیا۔ پس جب آپ نے شاھد کا لفظ فرمایا تو اس سے مراد وہ مسلمان نہیں تھے جو اُس مجلس میں موجود تھے اور جب آپ نے غائب کا لفظ استعمال فرمایا تو اس سے مراد بھی وہ مسلمان نہیں تھے جو اُس وقت مجلس میں موجود نہیں تھے بلکہ شاھد سے مراد وہ شخص ہے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی جائے اور غائب سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کے سامنے اس وقت حدیث بیان نہ ہوئی ہو۔ چاہے اس حدیث کا اسے علم ہی کیوں نہ ہو۔

پس جلسہ سالانہ پر ایک تو مَیں نے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ وہ اس حدیث کے مضمون کو پھیلانے کی طرف توجہ کریں اور رسول کریم ﷺ کی اس وصیت کو دہراتے رہیں یہاں تک کہ یہ امر ان کی عادت میں داخل ہو جائے اور ان کے دل میں اتنا راسخ ہو جائے کہ ان کا ہاتھ کسی مسلمان کے خلاف نہ اٹھے، ان کی زبان کسی مسلمان کے خلاف نہ کھلے اور ان کی آنکھ کسی مسلمان کے مال کی طرف نہ اٹھے۔ گویا دوسرے کی جان، مال اور آبرو پر حملے کا خیال بھی ان کے دل میں نہ آئے۔ اور ان کی دیانت و امانت ایسے اعلیٰ پایہ کی ہو کہ کسی مسلمان کے مال کی طرف ہاتھ اٹھنا تو الگ رہا ان کی نگاہ بھی نہ اٹھے اور دنیا اس یقین پر قائم ہو جائے کہ ایک مسلمان کے لئے کسی دوسرے مسلمان کا مال اٹھانا یا اس کی عزت اور جان پر حملہ کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلموں کے مال، جان اور آبرو پر حملہ کرنا جائز ہے۔ وہ بھی ویسا ہی ناجائز ہے جیسے کسی مسلمان کے مال، جان اور عزت پر حملہ کرنا۔ البتہ اس حدیث میں زیادہ زور اِسی بات پر دیا گیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی

عزت پر حملہ نہ کرے، اس کے مال پر حملہ نہ کرے، اس کی جان پر حملہ نہ کرے۔ غیر مسلموں کا اس لئے ذکر نہیں کیا گیا کہ جب مسلمانوں کو یہ عادت ہو جائے گی اور اپنے بھائیوں کے خلاف نہ ان کا ہاتھ اٹھے گا، نہ ان کی آنکھ اٹھے گی اور نہ ان کی زبان حرکت کرے گی تو وہ غیر اقوام کے لوگوں کو بھی دکھ دینے سے خود بخود اجتناب کریں گے اور چونکہ وہ دوسری آیات اور احادیث سے یہ جانتے ہیں کہ اسلام نے غیر مسلموں پر بھی حملہ کرنا ناپسندیدہ امر قرار دیا ہے اور ان کو حملہ نہ کرنے کی پختہ عادت ہو چکی ہو گی وہ کسی غیر مسلم کو بھی نہیں پیٹیں گے، وہ کسی غیر مسلم کا بھی مال نہیں کھائیں گے اور وہ کسی غیر مسلم کی عزت پر بھی حملہ نہیں کریں گے، جس طرح مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو پر وہ حملہ نہیں کریں گے۔

دوسری بات جلسہ سالانہ پر مَیں نے یہ بیان کی تھی کہ گزشتہ سال مَیں نے دوستوں کو نصیحت کی تھی کہ ہر احمدی کم سے کم ایک نیا احمدی سال میں ضرور بنائے مگر میری یہ نصیحت اتنی کامیاب نہیں ہوئی جتنی کامیابی کی توقع تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سال پہلے کی نسبت بیعت زیادہ ہوئی ہے مگر یہ زیادتی دس پندرہ فیصدی ہے اور دس پندرہ فیصدی کی زیادتی کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ اس لئے مَیں آج کے خطبہ میں پھر قادیان کے دوستوں کو اور باہر کے دوستوں کو بھی اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اس سال پھر ہر احمدی کم سے کم ایک نیا احمدی بنانے کی کوشش کرے اور چونکہ اگر انسان نے وعدہ کیا ہؤا ہو تو اسے اپنی ذمہ داری کا احساس رہتا ہے اس لئے ہر احمدی تحریرًا مجھے اطلاع دے کہ وہ اس سال کتنے نئے احمدی بنانے کا وعدہ کرتا ہے تا کہ اول اسے اپنے وعدہ کو پورا کرنے کا خیال رہے اور اگر بفرضِ محال وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کر سکے تو اس کے نفس میں شرمندگی پیدا ہو اور وہ آئندہ اپنی گزشتہ کمی کو زیادہ جدوجہد سے پورا کرنے کی کوشش کرے۔ بہرحال یہ ایک مفید چیز ہو گی سلسلہ کی ترقی کے لحاظ سے بھی کیونکہ جب وہ تحریری طور پر وعدہ کریں گے تو وہ توجہ سے اس وعدہ کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ان کے اپنے نفس کے لئے بھی کیونکہ اگر وہ وعدہ پورا نہ کر سکے تو ان کے نفس میں غیرت پیدا ہو گی اور آئندہ وہ اس کوتاہی کا ازالہ کرنے کے لئے زیادہ جدوجہد سے کام لیں گے۔ غرض وعدہ کرنا ان کے لئے بھی مفید ہے اور سلسلہ کے لئے بھی مفید ہے۔

پس جو دوست نئے احمدی بنانے کی نیت کریں وہ مجھے بھی اپنی نیت سے آگاہ کر دیں اور بتا دیں کہ اس سال کتنے نئے احمدی بنانے کی وہ کوشش کریں گے؟ اگر وہ اپنے لئے کوئی خاص علاقہ یا تبلیغ کے لئے کسی خاص قوم کو مخصوص کرنا چاہتے ہوں تو اس کی بھی مجھے اطلاع دے دیں کہ فلاں علاقہ یا فلاں قوم میں چونکہ احمدیت نہیں اس لئے ہم اس علاقہ یا اس قوم کی ہدایت کے لئے تبلیغی جدوجہد کریں گے۔

مَیں سمجھتا ہوں ہماری جماعت اگر فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی کی طرف پورے طور پر توجہ کرے تو جماعت کی ساری مشکلات چند دنوں میں دور ہو سکتی ہیں بلکہ جماعت کیا ساری دنیا کی مشکلات دور ہو سکتی ہیں کیونکہ احمدیت ہی ہے جو دنیا کی مشکلات کو دور کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر احمدیت آج دنیا میں پھیلی ہوئی ہوتی تو جرمنی اور برطانیہ اور روس اور فن لینڈ کے جھگڑے ہی کیوں ہوتے؟ یہ سب جھگڑے اِسی لئے ہیں کہ احمدیت کی تعلیم ابھی تک دنیا میں نہیں پھیلی۔ پس آج دنیا کے تمام جھگڑے انتظار کر رہے ہیں احمدیت کے انتشار اور اس کی اشاعت کا، اور دنیا کے تمام جھگڑے انتظار کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہونے کا اور اللہ تعالیٰ کی حکومت دنیا میں اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک احمدیت پھیل نہیں جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور وفاداری بھی یہی چاہتی ہے کہ احمدیت کو ہم دنیا میں جلد سے جلد پھیلائیں اور بنی نوع انسان کی محبت اور ان کی خیر خواہی بھی یہی چاہتی ہے کہ احمدیت کو ہم دنیا میں جلد سے جلد پھیلائیں تاکہ جھگڑے اور فساد دور ہوں اور دنیا میں امن قائم ہو جائے۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ احمدیت کی اشاعت کے بعد کامل امن ہو جائے گا اور لڑائی جھگڑے کُلّیۃً مفقود ہو جائیں گے۔ انفرادی جھگڑے رہتے ہی ہیں جیسے احمدیوں میں بھی بعض دفعہ جھگڑے ہو جاتے ہیں مگر وہ ایک حد کے اندر محدود رہتے ہیں اور ان لڑائیوں اور جھگڑوں کے دور کرنے کا ذریعہ وہی حدیث ہے جو مَیں نے بتائی ہے۔ اگر اس حدیث کو اپنا دستور العمل بنالیا جائے تو اس قسم کے جھگڑے بھی پیدا نہیں ہو سکتے لیکن بہر حال احمدیوں کے جھگڑے محدود ہیں، ان کے اثرات محدود ہیں اور ان جھگڑوں کو روکنے کے سامان موجود ہیں۔ اگر بعض احمدیوں میں لڑائی ہو جائے تو ایک نظام موجود ہے جو ان کے فتنہ کو روک دیتا ہے،

ایک ہاتھ موجود ہے جو اس ہاتھ کو پکڑ لیتا ہے جو کسی دوسرے کو مارنے کے لئے اٹھتا ہے اور ایک آواز موجود ہے جس کے سامنے اور تمام آوازیں دب جاتی ہیں۔ پس اس وجہ سے دوسروں کی نسبت ہماری جماعت لڑائی جھگڑوں اور ان کے خطرناک نتائج سے بہت حد تک محفوظ رہتی ہے اور وہ جو فیصلہ کر لیتا ہے کہ مَیں نے ضرور لڑنا ہے اُس کا پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ہم سے جُدا ہو جاتا ہے اور جب وہ ہمارے نظام سے آزاد ہو جاتا ہے تو پھر جو جی چاہے کرنے لگ جاتا ہے لیکن اس قسم کے لوگ بھی جماعت سے الگ ہو کر فتنہ پیدا کرنے کی اُسی وقت جرأت کر سکتے ہیں جب تک ہماری جماعت زیادہ پھیلی ہوئی نہ ہو۔ ورنہ جب جماعت دنیا میں کثیر تعداد میں پھیل جائے گی تو اُس وقت اِس قسم کے مفسد اور فتنہ پرداز بھی سمجھ جائیں گے کہ اب ہمارا باہر نکلنا بھی مفید نہیں کیونکہ ہر طرف احمدی ہی احمدی ہیں۔ پس لازماً وہ اندر رہیں گے اور جب اندر رہیں گے تو خواہ ان کی پوری اصلاح نہ ہو بہرحال ان کا فتنہ ایک نظام کی وجہ سے دبا رہے گا اور وہ دنیا کے لئے زیادہ مُضِر ثابت نہیں ہوں گے۔ پس مَیں دوستوں کو ان کے اس فرض کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں۔" (الفضل 19 جنوری 1940ء)

---

1 بخاری کتاب المغازی باب حجة الوداع